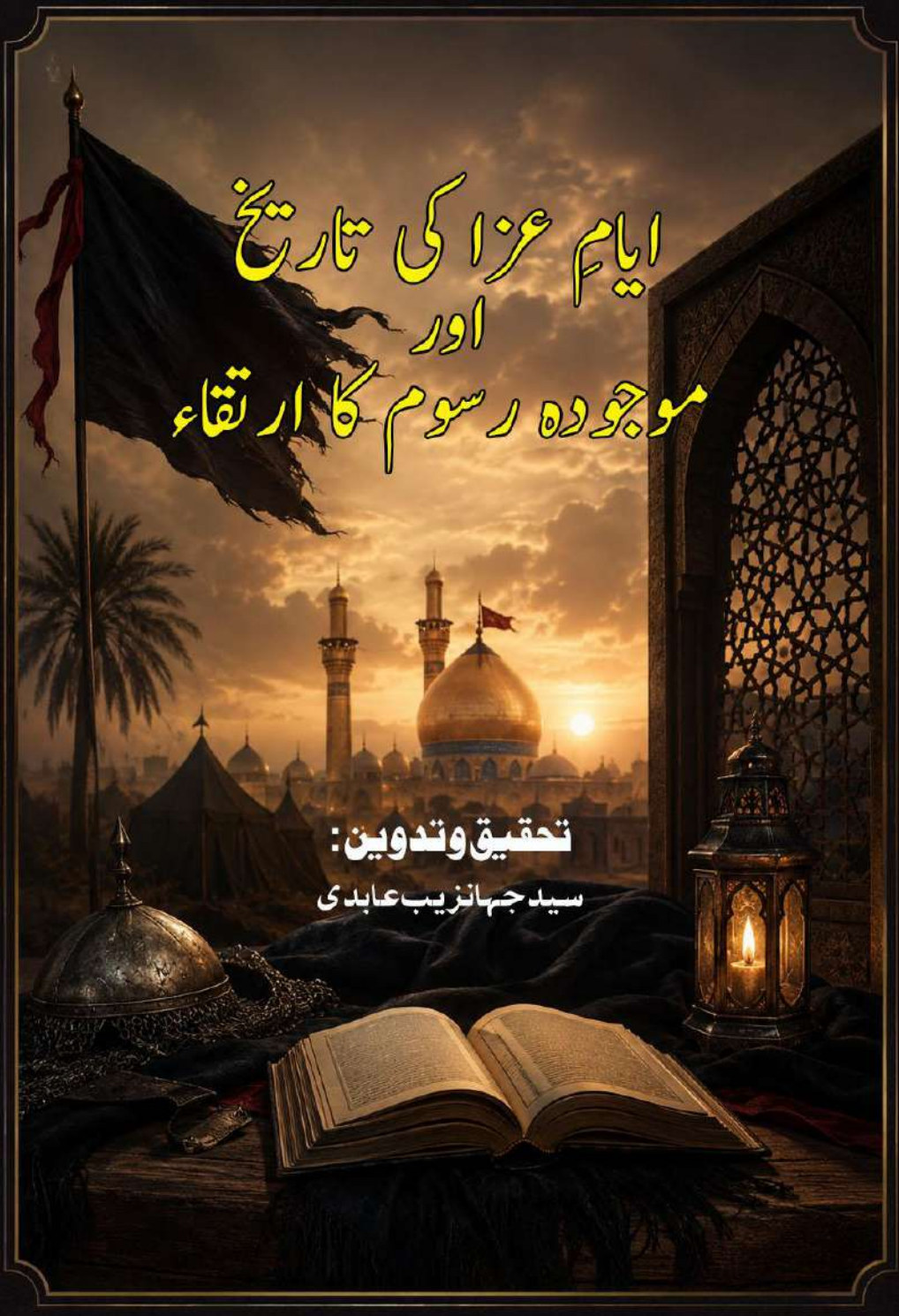
ایام عزا کی تاریخ
اور
موجودہ رسوم کا ارتقاء
تحقیق وتدوین:
سید جہانزیب عابدی

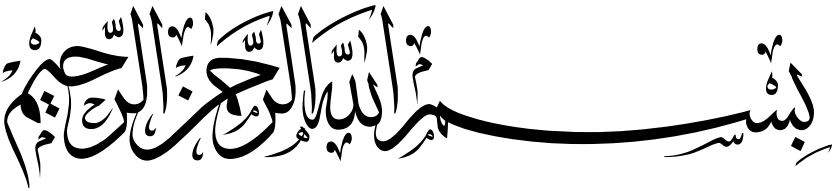
بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

پہلا باب: تعارف 5

دوسرا باب: ایامِ عزا کی تاریخ اور موجودہ رسوم کا ارتقاء 11

تیسرا باب: شعائرِ حسینی، بدعت اور فقہائے شیعہ کی آراء 18

چوتھا باب: پہلی محرم سے ۹ ربیع الاول تک منائے جانے والے ایام کی تاریخی و فقہی حیثیت 25

پانچواں باب: مشہور واقعات، ضعیف روایات اور تاریخ نگاری کا معیار 32

چھٹا باب: فقہائے جامع الشرائط نے شعائرِ حسینی کے جواز کا اصول کہاں سے اخذ کیا؟ 38

شعائرِ الٰہی کا قرآنی اصول 39

"احیائے امر اہل بیتؑ" کا اصول 40

اباحتِ اصلیہ (اصلِ جواز) 41

سیرۂ عقلاء (عقلاء کا عمومی طریقہ) 41

عنوانِ ثانوی کا اصول 42

فقہائے معاصر کا عمومی مؤقف 43

ساتواں باب: کیاامام مہدیؑ کے ظہور کے بعد موجودہ عزاداری کی تمام صورتیں برقرار رہیں گی؟..... 46

پہلا باب: تعارف

ایامِ عزا کی موجودہ صورت ایک ہی زمانے یا ایک ہی شخصیت کی ایجاد نہیں بلکہ تقریباً چودہ صدیوں پر محیط ایک تدریجی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ اس ارتقاء میں تین بنیادی عناصر ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ پہلی بنیاد خود ائمہ اہل بیتؑ کی تعلیمات ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کی یاد زندہ رکھنے، ان پر گریہ کرنے، شعر و مرثیہ پڑھنے اور ان کے مصائب بیان کرنے کی ترغیب دی۔ دوسری بنیاد مختلف ادوار کے شیعہ معاشروں کے عرف اور ثقافت ہیں جنہوں نے ان تعلیمات کو اپنی تہذیب کے مطابق مختلف شکلیں دیں۔ تیسری بنیاد فقہائے جامع الشرائط کی فقہی نگرانی ہے جنہوں نے ہر دور میں یہ واضح کیا کہ کون سا عمل شرعاً جائز، مستحب، مکروہ یا ممنوع ہے۔

یہ بات ابتدا ہی میں سمجھ لینی چاہیے کہ عزاداری کی تمام موجودہ صورتیں "توقیفی عبادات" نہیں ہیں۔ یعنی نماز اور روزے کی طرح ہر جزئیات میں شریعت سے منصوص نہیں۔ بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں "شعائرِ حسینی" کے عنوان سے عرفی اعمال ہیں جن کی مشروعیت اس شرط پر ہے کہ وہ شریعت کے کسی قطعی حکم سے متصادم نہ ہوں۔

ائمہ اہل بیتؑ کے زمانے میں عزاداری کی اصل بنیاد خود اہل بیتؑ نے رکھی۔ متعدد معتبر روایات میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص امام حسینؑ کا ذکر کرے یا ان پر ایک آنسو بھی بہائے اس کے لیے عظیم اجر ہے۔ اسی طرح امام رضاؑ نے فرمایا کہ محرم آتے ہی میرے والد امام موسیٰ کاظمؑ کے چہرے پر غم نمایاں ہو جاتا تھا اور عاشور تک مسکراہٹ نہیں آتی تھی۔ عاشور کا دن ان کے لیے مصیبت کا دن ہوتا تھا۔ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل بیتؑ نے عزاداری کی اصل سنت قائم کی۔

حوالہ: ابن قولویہ، کامل الزیارات، ابواب 26 تا 32؛ شیخ صدوق، الأمالی، مجلس 27؛ شیخ طوسی، الأمالی، مجلس 17؛ علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد 44، صفحات 278 تا 293۔

ائمہؑ کے دور میں عزاداری کی صورت بنیادی طور پر مجالس، گریہ، مرثیہ خوانی، زیارت، اہل بیتؑ کے فضائل و مصائب کا بیان اور شعر خوانی پر مشتمل تھی۔ معروف شاعر کمیت، دعبل خزاعی، سید حمیری اور دیگر شعراء ائمہؑ کی موجودگی میں مراثی پڑھتے تھے اور ائمہؑ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حوالہ: شیخ صدوق، عیون أخبار الرضا، جلد 2، باب 46؛ شیخ مفید، الإرشاد، جلد 2؛ علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد 45۔

البتہ اس زمانے میں آج جیسے بڑے جلوس، علم، ذوالجناح یا تعزیہ موجود نہیں تھے کیونکہ اموی اور عباسی حکومتوں میں کھلے عام عزاداری کرنا جان لیوا خطرہ تھا۔ عزاداری زیادہ تر گھروں اور محدود حلقوں میں ہوتی تھی۔

سن 352 ہجری میں آل بویہ کے حکمران معزالدولہ دیلمی نے بغداد میں پہلی مرتبہ سرکاری سطح پر عاشورا کی تعطیل اور عوامی عزاداری کا اعلان کیا۔ بازار بند ہوئے، لوگ سیاہ لباس پہن کر نکلے، عورتیں نوحہ کرتی ہوئی سڑکوں پر آئیں اور اجتماعی ماتم کیا گیا۔ مؤرخین اسے پہلی باقاعدہ سرکاری عوامی عزاداری قرار دیتے ہیں۔ اس سے پہلے عزاداری موجود تھی لیکن زیادہ تر نجی اور محدود تھی۔

حوالہ: ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 8؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 11؛ ذہبی، تاریخ الإسلام۔

صفوی دور (907–1135ھ) میں ایران میں شیعہ حکومت قائم ہونے کے بعد عزاداری کو مزید منظم شکل ملی۔ اسی دور میں منظم جلوس، علم، شبیہ، ذوالجناح، تکیے، حسینیے اور منبر کی موجودہ صورتیں زیادہ فروغ پائیں۔ تاہم یہ کہنا درست نہیں کہ صفویوں نے عزاداری ایجاد کی؛ انہوں نے پہلے سے موجود عزاداری کو ریاستی سرپرستی فراہم کی اور بہت سے ثقافتی عناصر اس میں شامل ہوئے۔

حوالہ: روضۃ الشہداء؛ تاریخ عزاداری امام حسین؛ A History of Shi'i Islam۔

برصغیر میں عزاداری کی بنیاد دہلی سلطنت کے آخری دور اور دکن کی شیعہ ریاستوں میں پڑی، لیکن اس کی غیر معمولی ترقی اودھ (لکھنؤ) کے نوابوں کے زمانے میں ہوئی۔ اسی ماحول میں مرثیہ، سلام، نوحہ، تعزیہ داری، شبیہ، علم، سبیل اور جلوسوں کی مخصوص برصغیری شکلیں سامنے آئیں جنہیں بعد میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے شیعہ معاشروں نے اختیار کیا۔

حوالہ An Introduction to Shi'i Islam :؛ سید محمد عسکری، تاریخ عزاداری در ہند۔

پہلی محرم سے عاشوراتک کے ابتدائی دس دن کی عزاداری کی بنیاد خود ائمہؑ کی روایات میں ملتی ہے کیونکہ محرم کے آغاز سے ہی غم منانے کا ذکر موجود ہے، اگرچہ ہر دن کے لیے موجودہ موضوعاتی تقسیم (مثلاً علی اصغرؑ کا دن، حضرت قاسمؑ کا دن وغیرہ) بعد کے زمانوں میں خطباء اور ذاکرین نے عوامی تربیت اور تاریخی ترتیب کے لیے اختیار کی۔ اس تقسیم کو شرعی حکم نہیں بلکہ تبلیغی نظم سمجھا جاتا ہے۔

عاشورا کے بعد شامِ غریباں کا تصور بھی تدریجاً وجود میں آیا۔ اس کی اصل کربلا کی اسی رات کے تاریخی واقعات ہیں، لیکن باقاعدہ "شامِ غریباں" کے عنوان سے مجالس بعد کے ادوار میں رائج ہوئیں، خصوصاً صفوی دور کے بعد۔

اربعین یعنی 20 صفر کی زیارت کی بنیاد روایات میں موجود ہے۔ امام حسن عسکریؑ سے منقول روایت میں "زیارت اربعین" کو مؤمن کی علامات میں شمار کیا گیا ہے، لہٰذا اربعین کی اصل شرعی بنیاد دیگر کئی رسوم کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے۔

حوالہ: شیخ طوسی، تہذیب الأحکام، جلد 6؛ شیخ طوسی، مصباح المتہجد؛ وسائل الشیعۃ، جلد 14۔

نوربیع الاول کے بارے میں موجودہ عوامی رسوم کی تاریخی حیثیت نسبتاً پیچیدہ ہے۔ اس دن کے حوالے سے بعض عوامی روایات بعد کے ادوار میں مشہور ہوئیں، لیکن ان کی اسناد پر متعدد شیعہ محققین نے گفتگو کی ہے۔ فقہاء عام طور پر اس دن کو خوشی کے اظہار کے لیے ایسا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دیتے جو اہل بیتؑ کی سیرت یا اسلامی اخلاق کے خلاف ہو، خصوصاً ایسے اعمال جو فرقہ وارانہ نفرت یا توہین کا سبب بنیں۔

معاصر فقہائے جامع الشرائط، جیسے امام خمینی، آیت اللہ خوئی، آیت اللہ سیستانی، آیت اللہ خامنہ ای، آیت اللہ وحید خراسانی اور آیت اللہ مکارم شیرازی، مجموعی طور پر اس اصول پر متفق ہیں کہ عزاداری بذات خود مستحب اور شعائر الٰہی میں سے ہے، لیکن اس کی ہر نئی شکل اسی وقت جائز ہو گی جب وہ شریعت کے کسی قطعی حکم، جان کے غیر ضروری نقصان، یا اسلام اور تشیع کی بدنامی کا سبب نہ بنے۔ اسی اصول کی بنا پر بعض رسوم کو بعض فقہاء نے پسند کیا، بعض کو صرف جائز کہا اور بعض خاص صورتوں میں بعض اعمال سے منع بھی کیا۔

حوالہ: امام خمینی، تحریر الوسیلہ؛ آیت اللہ سید علی خامنہ ای، أجوبة الاستفتاءات؛ آیت اللہ سید علی سیستانی، منہاج الصالحین اور سرکاری استفتاءات؛ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، استفتاءات جدید۔

دوسرا باب: ایامِ عزا کی تاریخ اور موجودہ رسوم کا ارتقاء

عزاداری کی اصل بنیاد قرآن، سنتِ رسولؐ اور ائمۂ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں موجود ہے، جبکہ اس کی بہت سی عملی صورتیں وقت کے ساتھ مختلف اسلامی معاشروں میں وجود میں آئیں۔ اب ان اہم رسوم اور شعائر کا مختصر تاریخی جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کون سی چیز براہِ راست ائمہؑ کے زمانے سے ثابت ہے، کون سی بعد کے ادوار میں وجود میں آئی، اور فقہائے جامع الشرائط نے ان کے بارے میں کیا مؤقف اختیار کیا۔

سب سے پہلے مجالسِ عزا کا ذکر آتا ہے۔ مجالس درحقیقت عزاداری کی قدیم ترین اور سب سے مستند شکل ہیں۔ امام جعفر صادقؑ اپنے اصحاب کو جمع کر کے کربلا کا ذکر فرماتے، مصائب بیان کرتے اور اشعار سننے کی ترغیب دیتے تھے۔ روایت میں فضیل بن یسار نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا: "کیا تم لوگ آپس میں بیٹھتے اور ہماری احادیث بیان کرتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ امامؑ نے فرمایا: "میں ایسی مجلسوں کو پسند کرتا ہوں، ہمارے امر کو زندہ رکھو۔"

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیتؑ نے ذکرِ اہل بیتؑ اور مصائبِ کربلا کی مجلسوں کی باقاعدہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

حوالہ: شیخ کلینی، الکافی، جلد 2، باب التذاکر؛ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ، جلد 10۔

اسی طرح مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی بھی ائمہؑ کے زمانے سے ثابت ہے۔ دعبل خزاعی جب امام رضاؑ کی خدمت میں اپنا معروف قصیدہ "مدارس آیات" پڑھ رہے تھے تو امامؑ خود گریہ فرما رہے تھے اور اہلِ خانہ کو بھی پردے کے پیچھے سننے کے لیے جمع فرمایا۔

حوالہ: شیخ صدوق، عیون أخبار الرضا، جلد 2، باب 46۔

اسی بنا پر تقریباً تمام شیعہ فقہاء مرثیہ، نوحہ اور مصائب کے بیان کو مستحب قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ ان میں جھوٹ، غلو یا غیر مستند واقعات شامل نہ کیے جائیں۔

جلوسِ عزا کی موجودہ شکل ائمہؑ کے زمانے میں موجود نہیں تھی، لیکن اس کی اصل اجتماعی عزاداری ہے۔ چونکہ اس زمانے میں سیاسی حالات اجازت نہیں دیتے تھے، اس لیے عزاداری زیادہ تر گھروں تک محدود رہتی تھی۔ آلِ بویہ کے دور میں پہلی مرتبہ بغداد میں منظم عوامی جلوس نکلے اور بعد میں صفوی ایران اور برصغیر میں ان کی مختلف شکلیں وجود میں آئیں۔

فقہاء نے جلوس کو بذاتِ خود عبادت قرار نہیں دیا بلکہ اسے "شعائرِ حسینی" کے اظہار کا ایک عرفی ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسی لیے جب تک جلوس میں کوئی حرام کام شامل نہ ہو، اسے جائز بلکہ مستحبِ کفائی شمار کیا گیا ہے کیونکہ اس سے دین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

حوالہ: امام خمینی، تحریر الوسیلہ، کتاب الأمر بالمعروف؛ آیت اللہ خامنہ ای، أجوبۃ الاستفتاءات؛ آیت اللہ سیستانی، استفتاءات۔

علم (پرچم) کے بارے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ حضرت عباسؑ لشکرِ امام حسینؑ کے علمبردار تھے، لہٰذا علم حضرت عباسؑ کی وفاداری اور پرچمِ حق کی علامت کے طور پر بعد کے ادوار میں رائج ہوا۔ ائمہؑ کے زمانے میں موجودہ دھاتی یا سجے ہوئے علم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن پرچم بذاتِ خود اسلام کی قدیم علامت ہے۔ بعد میں صفوی اور برصغیری معاشرے میں اس کی موجودہ شکل بنی۔

فقہاء علم کو شرعی واجب یا سنتِ معین نہیں کہتے بلکہ اگر اس کا مقصد شعائرِ حسینی کا اظہار ہو اور اس کے ساتھ غیر شرعی عقائد وابستہ نہ کیے جائیں تو اسے جائز سمجھتے ہیں۔

ذوالجناح کی رسم بھی اسی نوعیت کی ہے۔ تاریخ میں امام حسینؑ کے گھوڑے کا نام مختلف کتابوں میں "ذوالجناح" ذکر ہوا ہے، اگرچہ بعض مؤرخین نے دوسرے نام بھی نقل کیے ہیں۔ بعد کے ادوار میں اسی نسبت سے گھوڑا جلوسوں کا حصہ بن گیا تاکہ لوگوں کو میدانِ کربلا کی یاد دلائی جائے۔

اس رسم کا آغاز غالباً صفوی دور یا اس کے بعد ہوا، اور برصغیر میں اسے بہت فروغ ملا۔ کسی معتبر حدیث میں موجودہ جلوسی ذوالجناح کا ذکر نہیں ملتا، لیکن فقہاء اسے عرفی شعیرہ سمجھتے ہیں، نہ کہ شرعی عبادت۔

تعزیہ داری کا معاملہ نسبتاً مختلف ہے۔ برصغیر میں لکڑی، کاغذ یا دیگر مواد سے روضۂ امام حسینؑ کی علامتی شبیہ بنائی جانے لگی جسے "تعزیہ" کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غالباً ہندوستان میں مغل اور اودھ کے دور میں ہوئی۔ ایران میں بھی "تعزیہ" کا لفظ ایک ڈرامائی انداز میں واقعۂ کربلا کی منظر کشی کے لیے استعمال ہونے لگا۔

یہ رسم ائمہؑ یا ابتدائی فقہاء کے زمانے میں موجود نہیں تھی۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء نے اسے محض ثقافتی رسم قرار دیا، جبکہ بعض نے اس وقت تک جائز کہا جب تک اس میں کوئی غیر شرعی عقیدہ یا بدعت شامل نہ ہو۔

حوالہ: رسول جعفریان، تاریخ عزاداری امام حسینؑ؛ Moojan Momen, An Introduction to Shi'i Islam۔

سبیل اور پانی پلانے کی رسم نسبتاً زیادہ قدیم بنیاد رکھتی ہے، کیونکہ واقعۂ کربلا میں اہل بیتؑ کو پانی سے محروم رکھا گیا تھا۔ اسی نسبت سے بعد کے ادوار میں محرم کے دوران پانی، شربت اور دیگر مشروبات تقسیم کیے جانے لگے۔

اگرچہ موجودہ سبیلیں ائمہؑ کے زمانے میں موجود نہیں تھیں، لیکن پیاسوں کو پانی پلانا خود اسلامی تعلیمات میں صدقۂ جاریہ اور افضل اعمال میں شمار ہوتا ہے۔ اس لیے فقہاء نے اسے مستحب عمل قرار دیا ہے۔

سیاہ لباس پہننے کا مسئلہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ عام حالات میں بعض روایات میں سیاہ لباس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، لیکن متعدد فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اہل بیتؑ کے غم میں سیاہ لباس پہننا اس عمومی کراہت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ اظہارِ حزن اور شعائرِ حسینی میں شمار ہوتا ہے۔

حوالہ: علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد 45؛ آیت اللہ سیستانی، استفتاءات؛ آیت اللہ مکارم شیرازی، استفتاءات جدید۔

حسینیہ اور امام بارگاہ کی روایت بھی وقت کے ساتھ وجود میں آئی۔ ابتدائی دور میں عزاداری گھروں میں ہوتی تھی، لیکن شیعہ آبادی بڑھنے کے بعد مستقل

عمارتیں تعمیر کی گئیں تاکہ سال بھر مجالس اور مذہبی اجتماعات منعقد کیے جا سکیں۔ اس کا آغاز غالباً ایران، عراق اور برصغیر میں مختلف ادوار میں ہوا۔

فقہاء نے ایسی عمارتوں کی تعمیر کو صدقۂ جاریہ اور دینی خدمت قرار دیا ہے، بشرطیکہ ان کے لیے وقف اور مالی معاملات شرعی اصولوں کے مطابق ہوں۔

ان تمام رسوم کے بارے میں ایک مشترک فقہی اصول ملتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی رسم بذاتِ خود واجب یا دین کا مستقل رکن نہیں، بلکہ ان کی حیثیت "شعائرِ حسینی" کی ہے۔ اگر کوئی رسم لوگوں کے دلوں میں امام حسینؑ کی یاد تازہ کرے، دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنے، اور اس میں کوئی حرام یا خرافی پہلو شامل نہ ہو تو فقہائے شیعہ کی اکثریت اسے جائز بلکہ بعض حالات میں مستحب قرار دیتی ہے۔ لیکن اگر یہی رسوم ایسے عقائد، افعال یا انداز اختیار کر لیں جو شریعت، عقل یا اہل بیتؑ کی تعلیمات کے خلاف ہوں، تو فقہاء ان کی اصلاح یا ترک کی ہدایت دیتے ہیں۔

حوالہ جات

شیخ کلینی، الکافی، جلد 2؛ ابن قولویہ، کامل الزیارات؛ شیخ صدوق، عیون أخبار الرضا؛ شیخ مفید، الإرشاد؛ شیخ طوسی، الأمالی اور مصباح المتهجد؛ علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد 44 و 45؛ امام خمینی،

تحریر الوسیلہ؛ آیت اللہ سید علی خامنہ ای، أجوبۃ الاستفتاءات؛ آیت اللہ سید علی سیستانی، منہاج الصالحین اور استفتاءات؛ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، استفتاءات جدید؛ رسول جعفریان، تاریخ عزاداری امام حسینؑ؛ Moojan Momen, An Introduction to Shi'i Islam۔

تیسرا باب: شعائرِ حسینی، بدعت اور فقہائے شیعہ کی آراء

ایامِ عزا کے سلسلے میں سب سے زیادہ اختلاف جن امور میں پایا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہ امام حسینؑ پر عزاداری کی جائے یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ عزاداری کی کون سی شکلیں شرعاً مطلوب، کون سی جائز، کون سی مکروہ اور کون سی ناجائز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے شیعہ نے ہمیشہ ایک بنیادی اصول کو سامنے رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "اصلِ عزاداری" اور "عزاداری کی صورتوں" میں فرق کیا جائے۔

اصلِ عزاداری قرآن، سنتِ رسول اکرمؐ اور ائمۂ اہل بیتؑ کی تعلیمات سے ثابت ہے، اس لیے اس کے استحباب میں تقریباً کسی معتبر شیعہ فقیہ کا اختلاف نہیں ملتا۔ اختلاف صرف ان طریقوں میں ہے جو مختلف زمانوں میں عزاداری کے اظہار کے لیے اختیار کیے گئے۔

اسی مقام پر "بدعت" اور "شعیرہ" کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔

فقہِ جعفری میں بدعت اس عمل کو کہا جاتا ہے جسے کوئی شخص دین کا لازمی یا مستحب حکم قرار دے، حالانکہ اللہ اور رسولؐ یا ائمہؑ نے اسے دین کا حصہ قرار نہ دیا ہو۔ یعنی اگر کوئی نئی چیز ایجاد کر کے یہ کہا جائے کہ یہی اسلام کا حکم ہے یا یہی عبادت کا مقررہ طریقہ ہے تو وہ بدعت ہو گی۔

اس کے برعکس اگر کوئی عمل بذاتِ خود عبادت نہ ہو بلکہ دین کی تبلیغ، یاددہانی یا اظہارِ محبت کا ایک عرفی ذریعہ ہو، اور شریعت کے کسی حکم سے متصادم بھی نہ ہو، تو اسے بدعت نہیں کہا جاتا بلکہ وہ "شعیرہ" یا "وسیلہ" شمار ہو سکتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر آج مائیکروفون، لاؤڈ اسپیکر، ٹیلی ویژن، ریڈیو، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، جدید مساجد، مینار، طباعتِ قرآن اور ہزاروں جدید ذرائع بدعت نہیں کہلاتے، کیونکہ کوئی انہیں دین کا مستقل رکن قرار نہیں دیتا بلکہ دین کی خدمت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اسی اصول کو فقہائے شیعہ نے شعائرِ حسینی پر بھی منطبق کیا ہے۔

علامہ سید محسن حکیم لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عرف میں امام حسینؑ کے شعائر میں شمار ہوتی ہو اور جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو، وہ جائز ہے۔

حوالہ: سید محسن حکیم، مستمسك العروة الوثقى، كتاب الحج، بحث الشعائر۔

امام خمینی نے بھی یہی اصول اختیار کیا۔ ان کے نزدیک عزاداری کے وہ تمام طریقے جائز ہیں جو اسلام یا تشیع کی توہین کا سبب نہ بنیں اور کسی واجب کے ترک یا حرام کے ارتکاب پر مشتمل نہ ہوں۔

حوالہ: امام خمینی، تحریر الوسیلہ، کتاب الأمر بالمعروف؛ استفتاءات امام خمینی۔

آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے بھی متعدد استفتاءات میں یہی اصول بیان کیا ہے کہ عزاداری شعائرِ الٰہی میں سے ہے، لیکن ایسا عمل جو زمانے کے عرف میں مذہب کی بدنامی یا وھن (اہانت و سبکی) کا باعث بنے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حوالہ: آیت اللہ خامنہ ای، أجوبة الاستفتاءات، باب الشعائر الحسینیة۔

آیت اللہ سید علی سیستانی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عزاداری مستحب ہے، لیکن اس کے دوران ایسا کوئی عمل نہیں ہونا چاہیے جو جان کو غیر معمولی نقصان پہنچائے، دوسروں کے حقوق ضائع کرے یا مذہب کی توہین کا ذریعہ بنے۔

حوالہ: آیت اللہ سیستانی، استفتاءات، باب الشعائر الحسینیة۔

یہاں سے مختلف رسوم کے بارے میں فقہی آراء سامنے آتی ہیں۔

سینہ زنی کی تاریخ نسبتاً قدیم ہے۔ اجتماعی ماتم کی ابتدائی شکلیں چوتھی صدی ہجری میں آلِ بویہ کے دور سے تاریخی کتابوں میں ملتی ہیں، جبکہ بعد کے ادوار میں ایران، عراق اور برصغیر میں اس کی مختلف صورتیں رائج ہوئیں۔ آج

تقریباً تمام مراجعِ تقلید سینہ زنی کو اس شرط کے ساتھ جائز بلکہ اظہارِ حزن کا مستحب ذریعہ قرار دیتے ہیں کہ اس میں شدید جسمانی نقصان نہ ہو۔

ابن اثیر نے 352 ہجری کے واقعات بیان کرتے ہوئے بغداد میں اجتماعی نوحہ اور سینہ کوبی کا ذکر کیا ہے۔

حوالہ: ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 8؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 11۔

البتہ زنجیر زنی کی موجودہ شکل نسبتاً بعد کی ایجاد ہے۔ مؤرخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ رسم صفوی دور یا اس کے بعد ایران اور برصغیر میں رائج ہوئی۔ ائمۂ اہل بیتؑ یا ابتدائی فقہاء کے زمانے میں اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی لیے فقہاء کے درمیان اس کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض فقہاء نے اگر شدید نقصان نہ ہو تو اسے جائز کہا، جبکہ بعض نے موجودہ حالات میں اسے ترک کرنے کی تاکید کی کیونکہ ان کے نزدیک اس سے مذہب کی بدنامی ہو سکتی ہے۔

قمہ زنی (تطبیر) کے بارے میں اختلاف اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے متعلق پہلی صدیوں کی شیعہ تاریخ میں کوئی واضح تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ اکثر محققین اسے کئی صدیوں بعد پیدا ہونے والی رسم قرار دیتے ہیں۔

امام خمینی نے عمومی اصول بیان کیا کہ اگر کوئی عمل اسلام کو نقصان پہنچائے تو جائز نہیں۔

آیت اللہ خامنہ ای نے موجودہ زمانے میں تطبیر کو جائز نہیں قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب کے وھن کا باعث بنتی ہے۔

آیت اللہ سیستانی اس بارے میں احتیاط اور اپنے مقلدین کے لیے اپنے فتاویٰ کے مطابق عمل کی ہدایت دیتے ہیں، جبکہ بعض دیگر مراجع محدود شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دیتے رہے ہیں۔

اس اختلاف سے ایک اہم فقہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ مسئلہ "اصلِ دین" کا نہیں بلکہ "موضوع کی تشخیص" کا ہے۔ سب فقہاء کا اصول تقریباً ایک ہے، لیکن بعض کے نزدیک موجودہ عرف میں یہ شعیرہ ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہی عمل مذہب کی بدنامی کا سبب بن گیا ہے۔

تعزیہ یا شبیہ سازی کے بارے میں بھی تقریباً یہی صورت ہے۔ ایران میں "تعزیہ" ایک مذہبی ڈرامے کی صورت اختیار کر گیا جبکہ برصغیر میں روضۂ امام حسینؑ کی علامتی شبیہ کے طور پر رائج ہوا۔

فقہاء نے اس کی اجازت اسی وقت دی جب اس میں شرک، غلو، جھوٹ یا غیر اسلامی عقائد شامل نہ ہوں۔

اسی طرح بعض علاقوں میں حضرت عباسؑ یا دیگر شخصیات کی علامتی شبیہیں بنائی جاتی ہیں۔ معاصر فقہاء نے اس معاملے میں احتیاط کی تلقین کی ہے تاکہ اہل بیتؑ کی شخصیت کسی نامناسب انداز میں پیش نہ ہو۔

نو ربیع الاول کے بارے میں بھی فقہائے معاصر نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اگرچہ بعض عوامی روایات اس دن کو خوشی کے دن کے طور پر پیش کرتی ہیں، لیکن معتبر تاریخی مصادر میں اس کی بنیاد اتنی مضبوط نہیں جتنی عاشورا یا اربعین کی ہے۔ اسی لیے اکثر مراجع نے اس دن ایسے پروگراموں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جن میں مسلمانوں کی مقدس شخصیات کی توہین، گالم گلوچ یا فرقہ وارانہ نفرت شامل ہو۔

اس پورے موضوع میں شاید سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ فقہائے شیعہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہر پرانی رسم لازماً دینی ہے، اور نہ ہی یہ کہا کہ ہر نئی رسم لازماً بدعت ہے۔ ان کا معیار ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آیا یہ عمل اہل بیتؑ کی یاد کو زندہ کرتا ہے، شریعت کے کسی حکم سے متصادم نہیں، اور اسلام کی عزت و وقار میں اضافہ کرتا ہے یا نہیں۔

اسی وجہ سے ممکن ہے کہ ایک رسم ایک زمانے میں شعیرہ سمجھی جائے لیکن دوسرے زمانے میں اگر وہ اسلام کی بدنامی کا ذریعہ بن جائے تو اس کے بارے

میں فقہی حکم بھی موضوع کی تبدیلی کے ساتھ بدل جائے۔ فقہ میں اسے "تغیرِ موضوع" کہا جاتا ہے، نہ کہ دین کے حکم میں تبدیلی۔

اہم مراجع

شیخ کلینی، الکافی؛ شیخ صدوق، عیون أخبار الرضا؛ شیخ مفید، الإرشاد؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ؛ ابن کثیر، البدایة والنهایة؛ علامه مجلسی، بحار الأنوار، جلد 44 و 45؛ سید محسن حکیم، مستمسك العروة الوثقی؛ امام خمینی، تحریر الوسیلہ؛ آیت اللہ سید علی خامنہ ای، أجوبة الاستفتاءات؛ آیت اللہ سید علی سیستانی، استفتاءات؛ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، استفتاءات جدید؛ رسول جعفریان، تاریخ عزاداری امام حسینؑ۔

چوتھا باب: پہلی محرم سے ۹ ربیع الاول تک منائے جانے والے ایام کی تاریخی و فقہی حیثیت

ایامِ عزا کے بارے میں ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ آج شیعہ معاشروں میں جو مخصوص دن مختلف شخصیات یا واقعات سے منسوب کر کے منائے جاتے ہیں، کیا ان سب کی بنیاد معتبر روایات میں موجود ہے، یا یہ بعد کے زمانوں میں وجود میں آئے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان تمام ایام کی تاریخی اور فقہی حیثیت یکساں نہیں۔ بعض ایام کی بنیاد معتبر روایات میں موجود ہے، بعض کی بنیاد تاریخی واقعات پر ہے، جبکہ بعض ایام محض خطیبانہ روایت، عوامی عرف یا عزاداری کو منظم کرنے کے لیے بعد میں رائج ہوئے۔

محرم کا چاند نظر آتے ہی غم و اندوہ کا آغاز کرنا ائمۂ اہل بیتؑ کی سیرت سے ثابت ہے۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ جب محرم کا مہینہ آتا تو میرے والد امام موسیٰ کاظمؑ کے چہرے پر غم نمایاں ہو جاتا، ہنسی ختم ہو جاتی اور عاشورا تک مسلسل غم کی کیفیت رہتی۔ عاشورا کے دن وہ فرماتے کہ یہی وہ دن ہے جس میں امام حسینؑ کو شہید کیا گیا۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ محرم کے آغاز سے ہی غم منانا اہل بیتؑ کی سنت ہے، اگرچہ پہلی محرم کے لیے کسی خاص مجلس یا مخصوص عنوان کی تعیین روایات میں موجود نہیں۔

حوالہ :شیخ صدوق، عیون أخبار الرضا، جلد 2، باب 27؛ علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد 44۔

آج کل پہلی محرم کو "آمدِ محرم" یا "استقبالِ محرم" کے عنوان سے اجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ ایک عرفی اور تبلیغی طریقہ ہے، شرعی عنوان نہیں۔

دوسری محرم کو امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کا دن سمجھا جاتا ہے۔ اکثر تاریخی مصادر کے مطابق امام حسینؑ 2 محرم 61 ہجری کو کربلا پہنچے، اگرچہ بعض مؤرخین نے تاریخ میں معمولی اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس مناسبت سے دوسری محرم کی مجالس تاریخی بنیاد رکھتی ہیں۔

حوالہ :تاریخ الطبری، جلد 5؛ الإرشاد، جلد 2؛ اللهوف۔

تیسری سے نویں محرم تک آج جو مختلف عنوانات رائج ہیں، مثلاً حضرت مسلمؑ، حضرت حبیبؑ، حضرت زہیرؑ، حضرت قاسمؑ، حضرت علی اکبرؑ، حضرت عباسؑ یا حضرت علی اصغرؑ کے مخصوص دن، ان کی صورت حال مختلف ہے۔ ان عظیم

شخصیات کی شہادتیں اور واقعات تاریخ میں ثابت ہیں، لیکن ہر ایک کے لیے موجودہ انداز میں الگ دن مقرر کرنا ائمہؑ یا قدیم فقہاء سے ثابت نہیں۔

یہ تقسیم زیادہ تر برصغیر، ایران اور عراق کے ذاکرین اور خطباء نے اس لیے اختیار کی کہ دس دن کی مجالس میں واقعۂ کربلا کو مرحلہ وار بیان کیا جاسکے اور ہر شخصیت کی قربانی کو الگ انداز میں اجاگر کیا جائے۔ اس لیے یہ ایک تبلیغی نظم ہے، شرعی حکم نہیں۔

رسول جعفریان اور دیگر معاصر محققین نے بھی اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موجودہ "موضوعاتی تقسیم" تاریخی ترتیب سے زیادہ عزاداری کے منظم پروگرام کی ضرورت کے تحت وجود میں آئی۔

حوالہ: تاریخ عزاداری امام حسینؑ۔

نویں محرم یعنی تاسوعا کی اہمیت البتہ تاریخی اور روائی دونوں اعتبار سے ثابت ہے۔ اسی دن عمر بن سعد کی فوج نے جنگ کی تیاری مکمل کی اور امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو بھیج کر ایک رات کی مہلت طلب کی تاکہ آخری رات عبادت، دعا اور قرآن میں بسر کی جاسکے۔

یہ واقعہ متعدد معتبر تاریخی کتابوں میں مذکور ہے۔

حوالہ: الإرشاد؛ اللهوف؛ مقتل الحسین (نقلِ طبری)۔

عاشورا، یعنی دس محرم، تمام ایامِ عزا کا مرکز ہے۔ اس دن کی فضیلت، زیارت، گریہ اور عزاداری کے بارے میں بے شمار معتبر روایات موجود ہیں۔ امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے عاشورا کی زیارت اور اس دن کے اعمال متعدد اسناد سے منقول ہیں۔

حوالہ :ابن قولویہ، کامل الزیارات؛ شیخ طوسی، مصباح المتهجد؛ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان۔

دس محرم کی شام کو "شامِ غریباں" منائی جاتی ہے۔ اس کی بنیاد خود کربلا کے ان المناک واقعات پر ہے جب خیمے جلائے گئے، اہل بیتؑ کو اسیر بنایا گیا اور بچے بیابان میں منتشر ہو گئے۔ تاہم "شامِ غریباں" کے عنوان سے چراغ بجھا کر یا مخصوص انداز میں مجلس منعقد کرنا بعد کے زمانوں میں رائج ہوا۔ اس کی اصل تاریخی ہے، لیکن موجودہ طریقۂ انعقاد عرفی ہے۔

گیارہ اور بارہ محرم کی مجالس بھی اہل بیتؑ کی اسارت اور کوفہ کی طرف روانگی کے واقعات پر مبنی ہیں۔ ان واقعات کی تاریخی بنیاد مضبوط ہے، اگرچہ ہر دن کے لیے موجودہ مجلسوں کی تفصیلات بعد کے ادوار میں منظم ہوئیں۔

حوالہ :الإرشاد؛ اللهوف۔

آج بعض علاقوں میں تیرہ محرم کو دفنِ شہداء کا دن اور بعض مقامات پر حضرت زین العابدینؑ کی آمد سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں تاریخی روایات موجود ہیں، لیکن ان کی جزئیات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے فقہاء نے اس دن کے لیے کوئی مستقل شرعی عمل بیان نہیں کیا۔

صفر کا مہینہ بھی شیعہ روایت میں غم واندوہ کے تسلسل کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ سات صفر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کا دن مانتے ہیں، جبکہ مشہور قول اٹھائیس صفر ہے۔ اسی وجہ سے بعض حوزاتِ علمیہ، خصوصاً نجف میں سات صفر کو بھی عزاداری کی جاتی ہے۔

حوالہ: شیخ مفید، مسار الشیعة؛ شیخ طوسی، مصباح المتهجد۔

بیس صفر یعنی اربعین کی حیثیت دیگر تمام بعد کے ایام سے مختلف ہے، کیونکہ اس کے بارے میں نہ صرف تاریخی روایات موجود ہیں بلکہ امام حسن عسکریؑ کی حدیث میں "زیارتِ اربعین" کو مؤمن کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے اربعین کی زیارت اور اس کی اہمیت پر فقہاء کا تقریباً اتفاق ہے۔

حوالہ: شیخ طوسی، تهذیب الأحکام، جلد 6؛ شیخ طوسی، مصباح المتهجد؛ وسائل الشیعة، جلد 14۔

اٹھائیس صفر رسول اکرمؐ اور امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کا مشہور دن ہے، جبکہ انتیس یا تیس صفر کو امام رضاؑ کی شہادت کی مناسبت سے عزاداری کی جاتی ہے۔ ان ایام کی بنیاد قدیم شیعہ تقاویم اور روایات میں موجود ہے۔

اب سوال آتا ہے کہ پھر نور ربیع الاول کیوں منایا جاتا ہے؟

نور ربیع الاول کی موجودہ عوامی حیثیت نسبتاً متأخر ہے۔ بعض روایات میں اس دن کو امام مہدیؑ کی امامت کے آغاز سے منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ امام حسن عسکریؑ کی شہادت 8 ربیع الاول 260 ہجری کو ہوئی اور اس کے بعد امام مہدیؑ منصبِ امامت پر فائز ہوئے۔ اس اعتبار سے نور ربیع الاول کو "عیدِ امامت" کہنا ایک قابلِ فہم تاریخی نسبت رکھتا ہے۔

البتہ اسی دن کو بعض حلقوں میں بعض تاریخی شخصیات کے بارے میں توہین آمیز رسومات یا "عمر کشی" سے منسلک کرنا نہ معتبر روایات سے ثابت ہے اور نہ ہی معاصر مراجعِ نجف و قم کی عمومی تائید اس کے حق میں موجود ہے۔ متعدد مراجع نے واضح کیا ہے کہ ایسے اعمال جو مسلمانوں کے درمیان نفرت، اشتعال یا مقدسات کی توہین کا سبب بنیں، اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق نہیں۔

حوالہ : آیت اللہ سید علی سیستانی، استفتاءات؛ آیت اللہ سید علی خامنہ ای، أجوبة الاستفتاءات؛ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، استفتاءات جدید۔

ان تمام تاریخی حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلی محرم سے عاشورا اور پھر اربعین تک عزاداری کی اصل بنیاد مضبوط روایات، سیرتِ اہل بیتؑ اور قدیم شیعہ روایت میں موجود ہے، جبکہ بہت سے روزانہ کے موضوعات، مخصوص نام، پروگراموں کی ترتیب اور بعض عوامی رسومات بعد کے زمانوں میں تبلیغ، تعلیم اور ثقافتی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آئیں۔ فقہائے شیعہ نے عموماً ان کو اسی وقت قبول کیا ہے جب وہ دین کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہوں اور امام حسینؑ کی یاد کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بنیں، نہ کہ خود دین کا مستقل حکم سمجھے جائیں۔

پانچواں باب: مشہور واقعات، ضعیف روایات اور تاریخ نگاری کا معیار

امام حسینؑ کی عزاداری صرف جذبات کا نہیں بلکہ علم، تحقیق اور امانت داری کا بھی تقاضا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود ائمۂ اہل بیتؑ نے جھوٹ، مبالغہ اور غیر مستند باتوں سے اجتناب کی تعلیم دی۔ اس لیے جب عزاداری کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ عوامی مجالس میں بیان ہونے والے تمام واقعات کیا یکساں طور پر معتبر ہیں؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ شیعہ علماء نے صدیوں سے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعض واقعات قطعی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، بعض معتبر مگر ظنی ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی کوئی مضبوط سند موجود نہیں۔

کربلا کے اولین تاریخی مآخذ میں سب سے اہم نام ابو مخنف لوط بن یحییٰ (متوفی تقریباً 157ھ) کا ہے۔ ان کی کتاب مقتل الحسینؑ اگرچہ اپنی اصل صورت میں مکمل محفوظ نہیں رہی، لیکن اس کا بڑا حصہ امام محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ الأمم والملوک میں نقل کر دیا۔ چونکہ ابو مخنف واقعۂ کربلا کے صرف ایک یا دو نسل بعد کے مؤرخ تھے، اس لیے ان کی روایات کو بعد کے مؤرخین

نے بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا، اگرچہ ہر روایت کو بلا تحقیق قبول نہیں کیا جاتا۔

حوالہ :تاریخ الطبری، جلد 5؛ مقتل الحسین۔

اس کے بعد شیخ مفید کی الإرشاد، سید ابن طاؤس کی اللھوف، ابن نما حلی کی مثیر الأحزان، علامہ مجلسی کی بحار الأنوار اور شیخ عباس قمی کی نفس المھموم اہم مآخذ شمار ہوتے ہیں۔ تاہم ان تمام کتابوں کی علمی حیثیت یکساں نہیں۔ بعض مصنفین نے ہر روایت کی سند کی سخت جانچ کی، جبکہ بعض نے پہلے سے موجود تاریخی مواد کو جمع کر دیا تاکہ کوئی واقعہ ضائع نہ ہو۔ اسی لیے بعد کے علماء ہر روایت کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ شیخ عباس قمی نے نفس المھموم لکھتے وقت کوشش کی کہ صرف نسبتاً معتبر تاریخی روایات کو شامل کریں۔ اسی وجہ سے بہت سے معاصر علماء اس کتاب کو عوامی مجالس کے لیے ایک قابلِ اعتماد ماخذ سمجھتے ہیں۔

حوالہ :نفس المھموم، مقدمہ۔

اس کے برعکس بعض ایسی کتابیں بھی بعد کے زمانوں میں لکھی گئیں جن میں جذباتی انداز زیادہ تھا اور تاریخی تحقیق نسبتاً کم۔ ان میں بعض واقعات ایسے

نقل ہوئے جن کی کوئی مضبوط سند موجود نہیں۔ اسی لیے معاصر محققین نے ان کے بارے میں احتیاط کا مشورہ دیا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت قاسمؑ کی شادی کا واقعہ عوامی مجالس میں بہت مشہور ہے۔ لیکن قدیم اور بنیادی تاریخی مآخذ، جیسے ابو مخنف، طبری، شیخ مفید اور سید ابن طاؤس میں اس واقعے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کا تفصیلی بیان بعد کی بعض کتابوں میں سامنے آتا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے شیعہ محققین، مثلاً محدث نوری، شیخ عباس قمی، شہید مرتضیٰ مطہری اور رسول جعفریان نے اس واقعے کی تاریخی صحت پر سوال اٹھایا ہے۔

شہید مطہری نے خاص طور پر اس بات پر زور دیا کہ اگرچہ اس واقعے کا مقصد اہل بیتؑ کی محبت کا اظہار ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے اسے یقینی واقعہ نہیں کہا جا سکتا۔

حوالہ: حماسہ حسینی، جلد 1؛ رسول جعفریان، تاریخ عزاداری امام حسینؑ۔

اسی طرح بعض مجالس میں ایسے مکالمے یا خطبات نقل کیے جاتے ہیں جن کی عبارت نہایت ادبی اور طویل ہوتی ہے۔ ان میں سے کئی خطبات کا مفہوم درست ہو سکتا ہے، لیکن لفظ بہ لفظ ان کا امام حسینؑ یا حضرت زینبؑ سے صادر ہونا تاریخی طور پر ثابت نہیں۔ مؤرخین اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں کہ

"مضمون درست ہونا" اور "الفاظ کا تاریخی طور پر ثابت ہونا" دو الگ چیزیں ہیں۔

حضرت علی اصغرؑ کے بارے میں اصل واقعہ کہ امام حسینؑ نے اپنے شیر خوار بچے کو پانی کے لیے اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے، متعدد معتبر تاریخی مآخذ میں موجود ہے۔ البتہ اس واقعے کی جزئیات، جیسے بعض مکالمے، یا تیر لگنے کے بعد کی بعض تفصیلات، مختلف کتابوں میں مختلف انداز سے بیان ہوئی ہیں۔

حوالہ :الإرشاد؛ اللهوف؛ نفس المهموم۔

حضرت عباسؑ کے بارے میں بھی اصل واقعہ کہ آپ فرات تک پہنچے، پانی لیا، مگر خیموں تک نہ پہنچ سکے اور شہید ہو گئے، معتبر تاریخ میں موجود ہے۔ تاہم بعض تفصیلات، مثلاً مخصوص اشعار یا بعض مکالمے، بعد کی روایات میں زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

اسی طرح حضرت زینبؑ کے خطبات کی اصل تاریخی حیثیت مضبوط ہے۔ کوفہ اور شام میں آپ کے خطبات متعدد قدیم مصادر میں نقل ہوئے ہیں، اگرچہ مختلف مؤرخین کے ہاں الفاظ میں معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر ان خطبات کی اصل کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔

حوالہ :الاحتجاج؛ بلاغات النساء؛ الإرشاد۔

اسی طرح امام سجادؑ کے دربارِ یزید میں خطبے کی اصل بھی متعدد تاریخی مصادر میں موجود ہے، اگرچہ اس کے بعض الفاظ میں اختلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معاصر شیعہ علماء نے ہمیشہ خطباء کو نصیحت کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو معتبر تاریخی مصادر سے مصائب بیان کریں۔ اگر کسی ضعیف روایت کا ذکر کریں تو اسے یقینی تاریخ کے طور پر پیش نہ کریں بلکہ اس کی حیثیت واضح کر دیں۔

شہید مرتضیٰ مطہری نے اپنی معروف کتاب حماسہ حسینی میں خاص طور پر "تحریفاتِ عاشورا" کے عنوان سے ایک مستقل بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک واقعۂ کربلا کی عظمت اتنی بلند ہے کہ اسے مؤثر بنانے کے لیے جھوٹ یا غیر مستند قصوں کی ضرورت ہی نہیں۔ انہوں نے لکھا کہ اگر ہم غیر ثابت واقعات بیان کریں گے تو دشمن اصل تاریخ پر بھی اعتراض کرنے لگے گا۔

اسی طرح محدث نوری نے لؤلؤ و مرجان میں ذاکرین اور واعظین کے لیے صداقت، امانت اور تحقیق کی اہمیت پر زور دیا اور غیر مستند روایات کے نقل کرنے سے منع کیا۔

حوالہ: حماسہ حسینی؛ لؤلؤ و مرجان۔

یہاں ایک نہایت اہم فقہی اور علمی اصول سامنے آتا ہے۔ شیعہ فقہ میں "مصیبت بیان کرنا" مستحب ہے، لیکن "جھوٹ بولنا" حرام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص امام حسینؑ کی محبت میں ایسا واقعہ بیان کرے جو تاریخی طور پر ثابت نہ ہو اور اسے یقینی حقیقت کے طور پر پیش کرے، تو کم از کم علمی اعتبار سے وہ ایک غلط طرزِ عمل اختیار کر رہا ہے، خواہ اس کی نیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔

اسی وجہ سے آج نجف اور قم کے اکثر علمی مراکز میں خطباء کی تربیت کے دوران اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ عزاداری کی تاثیر کا انحصار مبالغہ آرائی پر نہیں بلکہ سچائی، تحقیق اور اہل بیتؑ کی حقیقی سیرت کے بیان پر ہونا چاہیے۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عزاداری کی روح، اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق، صداقت اور اخلاص پر قائم ہے۔ جس طرح امام حسینؑ نے باطل کے مقابلے میں سچائی کا پرچم بلند کیا، اسی طرح ان کے مصائب بیان کرنے والوں پر بھی لازم ہے کہ وہ تاریخی امانت داری کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ یہی طرزِ عمل عزاداری کو نہ صرف جذباتی بلکہ علمی اور فکری اعتبار سے بھی مضبوط بناتا ہے۔

چھٹا باب: فقہائے جامع الشرائط نے شعائرِ حسینی کے جواز کا اصول کہاں سے اخذ کیا؟

اب تک کی گفتگو سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ موجودہ عزاداری کی بہت سی صورتیں ائمۂ اہل بیتؑ کے زمانے میں موجود نہیں تھیں، بلکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں تدریجاً وجود میں آئیں۔ اب بنیادی فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ نئی صورتیں بعد میں ایجاد ہوئیں تو فقہائے جامع الشرائط نے انہیں کس اصول کی بنیاد پر جائز قرار دیا؟ کیا انہوں نے کوئی نیا حکم ایجاد کیا یا پہلے سے موجود شرعی قواعد کو ان پر منطبق کیا؟

اس سوال کا جواب فقہِ جعفری کے ایک بنیادی اصول میں پوشیدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ فقیہ کسی نئے عمل کو عبادت نہیں بناتا، بلکہ پہلے سے موجود شرعی قواعد کی روشنی میں اس کے حکم کو دریافت (استنباط) کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے عزاداری کی نئی صورتوں کو کبھی نماز، روزہ یا حج کی طرح "توقیفی عبادات" قرار نہیں دیا، بلکہ انہیں "شعائر"، "وسائل" اور "مصادیقِ عرفیہ" کے عنوان سے دیکھا۔

شعائرِ الٰہی کا قرآنی اصول

فقہائے شیعہ سب سے پہلے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

"وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ"

"جو شخص اللہ کی نشانیوں (شعائر) کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔"

(سورۂ حج 22:32)

قرآن نے یہاں "شعائر" کی کوئی جامع فہرست بیان نہیں کی بلکہ ایک عمومی اصول دیا ہے۔ اصل سیاق میں شعائر سے مراد حج کی بعض علامات ہیں، لیکن فقہاء کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز عرفِ متشرعہ میں دین کی علامت بن جائے تو وہ بھی شعائر کے عمومی مفہوم میں داخل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ شریعت اس کی ممانعت نہ کرتی ہو۔

اسی بنا پر بہت سے فقہاء نے امام حسینؑ کی عزاداری کو بھی شعائرِ الٰہی کی ایک نمایاں مثال قرار دیا، کیونکہ اس کے ذریعے دینِ محمدیؐ اور واقعۂ کربلا کی یاد زندہ رہتی ہے۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے آیتِ شعائر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شعائر وہ علامات ہیں جو انسان کو اللہ کی اطاعت اور دین کی طرف متوجہ کریں۔

حوالہ :المیزان فی تفسیر القرآن، سورۂ حج، آیت 32۔

"احیائے امرِ اہل بیتؑ" کا اصول

قرآن کے بعد فقہاء نے اہل بیتؑ کی ان روایات سے استدلال کیا جن میں "احیائے امر" کی ترغیب دی گئی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"رَحِمَ اللهُ عَبْدًا أَحْيَا أَمْرَنَا"

"اللہ اس بندے پر رحم کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔"

جب راوی نے پوچھا کہ ہمارے امر کو زندہ کرنے کا کیا طریقہ ہے تو امامؑ نے فرمایا کہ ہماری احادیث سیکھو، دوسروں کو سکھاؤ اور لوگوں میں انہیں پھیلاؤ۔

حوالہ :شیخ صدوق، الأمالی؛ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعة، جلد 27۔

فقہاء نے کہا کہ اگر اہل بیتؑ کی تعلیمات، سیرت اور قربانیوں کو زندہ رکھنے کے لیے کوئی نیا مگر جائز ذریعہ اختیار کیا جائے تو وہ اسی "احیائے امر" کے عمومی اصول کے تحت آسکتا ہے۔

اباحتِ اصلیہ (اصلِ جواز)

فقہِ جعفری کا ایک معروف اصول ہے:

"الأصل فی الأشیاء الإباحة"

یعنی دنیاوی معاملات میں اصل حکم جواز ہے، جب تک کسی چیز کی حرمت پر شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

یہ اصول عبادات میں نہیں بلکہ عرفی اور معاشرتی امور میں نافذ ہوتا ہے۔

مثلاً مسجد میں مائیکروفون استعمال کرنا، قرآن کی طباعت، آن لائن تبلیغ، یا جدید تعلیمی ادارے قائم کرنا، یہ سب ائمہؑ کے زمانے میں موجود نہیں تھے، لیکن چونکہ ان کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں اور یہ دین کی خدمت کا ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے فقہاء نے انہیں جائز قرار دیا۔

اسی اصول کو بہت سے فقہاء نے عزاداری کے عرفی وسائل پر بھی منطبق کیا۔

حوالہ: شیخ انصاری، فرائد الأصول؛ آخوند خراسانی، کفایة الأصول۔

سیرۂ عقلاء (عقلاء کا عمومی طریقہ)

فقہِ جعفری میں ایک اہم دلیل سیرۂ عقلاء بھی ہے۔ اگر دنیا کے تمام عقلمند لوگ کسی جائز مقصد کے لیے ایک خاص ذریعہ اختیار کرتے ہیں، اور شارع نے اس سے منع نہیں کیا، تو وہ ذریعہ اصولاً قابلِ قبول ہوتا ہے۔

مثلاً قومی پرچم، یادگاریں، یادگاری دن، شہداء کی یاد میں اجتماعات، تاریخی عجائب گھر یا قومی یادگاریں، یہ سب انسانی معاشروں میں کسی نظریے یا شخصیت کی یاد زندہ رکھنے کے ذرائع ہیں۔

فقہاء نے کہا کہ اگر امام حسینؑ کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے بھی عرفی ذرائع اختیار کیے جائیں تو اصولی طور پر ان میں ممانعت نہیں، جب تک وہ کسی حرام امر پر مشتمل نہ ہوں۔

عنوانِ ثانوی کا اصول

یہاں ایک نہایت اہم فقہی نکتہ سامنے آتا ہے۔

کسی عمل کا حکم ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، بلکہ حالات کے بدلنے سے اس پر عنوانِ ثانوی عائد ہو سکتا ہے۔

مثلاً پانی پینا بذاتِ خود جائز ہے، لیکن اگر کسی مریض کے لیے نقصان دہ ہو تو عارضی طور پر ممنوع ہو سکتا ہے۔

اسی طرح کوئی عزاداری کی رسم اصل میں جائز ہو، لیکن اگر کسی خاص معاشرے یا زمانے میں وہ اسلام کی توہین، شدید جانی نقصان یا فرقہ وارانہ فساد کا سبب بن جائے تو فقہاء اس کے بارے میں مختلف فتویٰ دے سکتے ہیں۔

اسی اصول کی بنیاد پر بعض مراجع نے بعض رسوم کے بارے میں مختلف آراء اختیار کی ہیں۔ اختلاف اصلِ عزاداری میں نہیں بلکہ موضوع کی تشخیص میں ہے۔

فقہائے معاصر کا عمومی مؤقف

امام خمینی نے عزاداری کو اسلام کی بقا کا اہم ذریعہ قرار دیا اور فرمایا:

"محرم اور صفر ہی اسلام کو زندہ رکھتے ہیں۔"

یہ جملہ فقہی فتویٰ نہیں بلکہ ایک تاریخی و سماجی تجزیہ ہے، جس میں یہ بتایا گیا کہ عاشورا کی یاد نے شیعہ معاشرے کی دینی شناخت کو محفوظ رکھا۔

حوالہ :صحیفۂ امام، جلد 15۔

آیت اللہ سید علی خامنہ ای فرماتے ہیں کہ عزاداری اہل بیتؑ سے محبت، ظلم کے خلاف بیداری اور دینی شعور پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، لیکن اس میں ہر وہ عمل ترک کیا جانا چاہیے جو اسلام یا تشیع کی ساکھ کو نقصان پہنچائے۔

حوالہ :أجوبة الاستفتاءات، باب الشعائر الحسينية۔

آیت اللہ سید علی سیستانی بھی عزاداری کو عظیم شعیرہ قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بیان کرتے ہیں کہ تمام اعمال شرعی حدود، نظمِ عامہ اور انسانی وقار کے مطابق ہوں۔

حوالہ :استفتاءات، باب الشعائر الحسينية۔

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں کہ شعائرِ حسینی کی حفاظت ضروری ہے، لیکن ایسے اعمال جو عوام میں اسلام کا غلط تصور پیدا کریں یا اہل بیتؑ کی تعلیمات کے خلاف ہوں، ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حوالہ :استفتاءات جدید۔

اس پوری فقہی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہائے جامع الشرائط نے عزاداری کی نئی صورتوں کو اس لیے جائز قرار نہیں دیا کہ وہ خود دین کا حصہ ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ دین کی خدمت، احیائے امرِ اہل بیتؑ اور شعائرِ الٰہی کی تعظیم کا عرفی ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ایک واضح حد بھی مقرر کی کہ کوئی بھی رسم اگر شریعت کے کسی قطعی حکم سے ٹکرا جائے، جھوٹ، غلو، خرافات، خود اذیتِ شدید، یا اسلام و تشیع کی توہین کا سبب بنے تو وہ اپنی مشروعیت کھو سکتی ہے۔

یہی متوازن اصول دراصل فقہِ جعفری کی خصوصیت ہے۔ نہ وہ ہر نئ چیز کو بدعت قرار دیتاہے، نہ ہر رائج رسم کو بلا تحقیق دینی حیثیت دے دیتاہے، بلکہ ہر عمل کو قرآن، سنت، عقل اور فقہی قواعد کی کسوٹی پر پرکھتاہے۔

ساتواں باب: کیا امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد موجودہ عزاداری کی تمام صورتیں برقرار رہیں گی؟

یہ سوال محض نظری نہیں بلکہ انتہائی اہم فقہی اور فکری سوال ہے۔ اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ موجودہ عزاداری کی بہت سی صورتیں تاریخ کے مختلف ادوار میں پیدا ہوئیں، تو کیا ظہورِ امام مہدیؑ کے بعد بھی وہ بعینہٖ باقی رہیں گی؟ یا امامؑ ان میں کوئی تبدیلی، اصلاح یا اضافہ فرمائیں گے؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں امام مہدیؑ کے ظہور کا بنیادی مقصد سمجھنا ہو گا۔ قرآن کریم اور اہل بیتؑ کی روایات کے مطابق ظہور کا مقصد صرف ایک حکومت قائم کرنا نہیں بلکہ دین کو اس کی خالص اور حقیقی صورت میں نافذ کرنا ہے۔

رسول اکرمؐ سے منقول ہے:

"المهدی یملأ الأرض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً۔"

یعنی امام مہدیؑ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔

حوالہ: شیخ صدوق، کمال الدین وتمام النعمة؛ شیخ طوسی، الغیبة۔

اسی طرح امام باقرؑ سے روایت ہے کہ جب قائمؑ قیام کریں گے تو رسول اللہؐ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے، بدعات کو ختم کریں گے اور سنت کو زندہ کریں گے۔

حوالہ :نعمانی، الغیبة، باب13؛ شیخ مفید، الإرشاد۔

یہ روایت ایک بنیادی اصول بیان کرتی ہے کہ امامؑ کا کام ہر اس چیز کو باقی رکھنا نہیں ہو گا جو صدیوں میں رائج ہو گئی ہے، بلکہ وہ ہر چیز کو قرآن و سنت اور اہل بیتؑ کی اصل تعلیمات کی کسوٹی پر پرکھیں گے۔

یہی اصول ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ موجودہ عزاداری کی ہر رسم کا مستقبل یکساں نہیں ہو سکتا۔

وہ اعمال جو خود اہل بیتؑ کی تعلیمات سے ثابت ہیں، مثلاً امام حسینؑ کی زیارت، گریہ، مصائب کا بیان، اہل بیتؑ سے محبت، ظالموں سے براءت، عاشورا اور اربعین کی یاد، ان کے باقی رہنے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ ان کی بنیاد خود معصومینؑ نے رکھی ہے۔

لیکن وہ صورتیں جو مختلف ثقافتوں، معاشروں یا تاریخی حالات کے نتیجے میں پیدا ہوئیں، ان کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مثال کے طور پر آج مختلف ممالک میں عزاداری کے انداز ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

عراق میں عزاداری کی ایک شکل ہے۔

ایران میں دوسری۔

آذربائیجان میں تیسری۔

برصغیر میں چوتھی۔

لبنان میں پانچویں۔

افریقہ اور یورپ میں رہنے والے شیعوں کی شکلیں ان سب سے مختلف ہیں۔

اگر ان تمام شکلوں کو بعینہٖ دینی حکم قرار دے دیا جائے تو یہ خود اس بات کا ثبوت ہو گا کہ دین ایک نہیں بلکہ متعدد ثقافتی صورتوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔

اس لیے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اصل عزاداری دین ہے، لیکن اس کی بہت سی عملی صورتیں ثقافتی ہیں۔

اور ثقافتی امور زمان و مکان کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

اسی اصول کو فقہ میں "تبدلِ موضوع" کہا جاتا ہے۔

اگر کسی دور میں ایک طریقہ لوگوں کے دلوں میں امام حسینؑ کی محبت پیدا کرتا تھا، لیکن کسی دوسرے دور میں وہی طریقہ مقصد حاصل نہ کرے یا غلط فہمی پیدا کرے، تو ممکن ہے امامؑ اس کی جگہ زیادہ مؤثر ذریعہ اختیار کریں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔

رسول اللہؐ نے بھی عرب معاشرے کی بہت سی رسوم کو باقی رکھا، بعض کی اصلاح کی اور بعض کو مکمل ختم کر دیا۔

امام علیؑ نے بھی اپنے دورِ حکومت میں بہت سی انتظامی اصلاحات نافذ کیں۔

لہٰذا امام مہدیؑ بھی اصلاحِ دین کے عمل میں یہی اصول اختیار کریں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ظہور کے بعد امامؑ ایسے فیصلے کریں گے جنہیں دیکھ کر بہت سے لوگ تعجب کریں گے، کیونکہ لوگ دین کے بجائے اپنے مانوس طریقوں کے عادی ہو چکے ہوں گے۔

امام صادقؑ سے منقول ہے:

"جب قائمؑ قیام کریں گے تو لوگوں کو ایسے نئے امر کی طرف بلائیں گے جیسے رسول اللہؐ نے ابتدا میں بلایا تھا۔"

یہ "نیا امر" درحقیقت نیا دین نہیں ہو گا بلکہ لوگوں کے لیے بھولی ہوئی اصل تعلیمات نئی محسوس ہوں گی۔

حوالہ :نعمانی، الغیبة، باب13؛ شیخ کلینی، الکافی، جلد8۔

اسی لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ ظہور کے بعد بہت سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ شاید امامؑ نیا دین لے آئے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ دینِ محمدیؐ کو تحریفات اور اضافوں سے پاک کر کے پیش کریں گے۔

علامہ محمد باقر مجلسی نے ان روایات کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کا سبب لوگوں کا اصل تعلیمات سے دور ہو جانا ہو گا، نہ کہ دین کا بدل جانا۔

حوالہ :علامہ مجلسی، بحار الأنوار، جلد52۔

اس تناظر میں اگر موجودہ عزاداری کو دیکھا جائے تو غالب امکان یہی ہے کہ امام مہدیؑ عزاداری کو ختم نہیں کریں گے، کیونکہ خود روایات میں آیا ہے کہ وہ اپنے جد امام حسینؑ کے مصائب کو یاد کریں گے اور ان پر گریہ کریں گے۔

مشہور زیارتِ ناحیہ مقدسہ، جو امام مہدیؑ کی طرف منسوب ہے، میں امامؑ فرماتے ہیں:

"میں صبح و شام آپ پر گریہ کروں گا، اور اگر آنسو ختم ہو گئے تو خون کے آنسو بہاؤں گا۔"

اگرچہ زیارتِ ناحیہ کی تمام اسناد پر علماء کے درمیان بحث موجود ہے، لیکن اس کا مجموعی مضمون شیعہ ثقافت میں صدیوں سے عزاداری کی روح کی ترجمانی کرتا رہا ہے۔

حوالہ :ابن مشهدی، المزار الکبیر؛ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ توقع بھی معقول ہے کہ امامؑ ہر اس چیز کی اصلاح کریں گے جس میں وقت کے ساتھ غلو، خرافات، غیر مستند تاریخی روایات، فرقہ وارانہ نفرت، مالی استحصال یا دین کے حقیقی مقصد سے انحراف شامل ہو گیا ہو۔

یہ اصلاح عزاداری کے خلاف نہیں ہو گی بلکہ عزاداری کو اس کی اصل روح کی طرف واپس لانے کے لیے ہو گی۔

درحقیقت تاریخِ اسلام کا ایک مستقل اصول یہی رہا ہے کہ ہر معصومؑ نے سابقہ امت کی غلطیوں کی اصلاح کی، لیکن دین کی اصل روح کو محفوظ رکھا۔

اسی لیے یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ ظہور کے بعد عزاداری باقی رہے گی، لیکن اس کی تمام موجودہ ثقافتی شکلوں کے بعینہٖ باقی رہنے کی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں۔ جو چیز قرآن، سنت اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو گی، وہ یقیناً برقرار رہے گی، اور جو چیز بعد میں کسی غیر شرعی، غیر علمی یا غیر اخلاقی

صورت اختیار کر گئی ہو گی، اس کی اصلاح ہونا خود سنتِ اہل بیتؑ کے مطابق ہو گا۔

یہی نتیجہ فقہِ جعفری کے اصول، تاریخی ارتقاء اور ظہور سے متعلق روایات کو جمع کرنے سے سامنے آتا ہے۔ اس بارے میں کسی معتبر روایت میں یہ نہیں ملتا کہ امام مہدیؑ موجودہ ہر رسم کو جوں کا توں برقرار رکھنے یا سب کو ختم کرنے کا اعلان کریں گے۔ اس لیے اس باب میں قطعی دعویٰ کرنے کے بجائے اتنا کہنا زیادہ محتاط اور علمی ہے کہ اصلِ عزاداری باقی رہے گی، جبکہ اس کی عملی صورتوں کا معیار وہی ہو گا جو ہمیشہ رہا ہے: قرآن، سنتِ رسولؐ، تعلیماتِ اہل بیتؑ اور عدل و حکمت۔

ایّام عزا اور عزاداری کی تاریخ، ارتقاء فقہی حیثیت اور مستقبل

ایک تحقیقی و فقہی مطالعہ

عزاداری امام حسینؑ کی محبت کا اظہار ہے، لیکن اس کی تاریخ، ارتقاء، فقہی حیثیت اور مستقبل کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ عزاداری صحیح فہم، علمی، اساس اور شرعی حدود کے اندر انجام دی جا سکے۔

1. ابتدائی ایام عزا (61ھ تا150ھ)

امام سجادؑ اور حضرت زینبؑ کے دور سے کربلائی یاد زندہ رہی، گریہ، ماتم، مصائب کا بیان اور زیارت اس دور کی اہم صورتیں تھیں۔

حوالہ: الإرشاد، للشيخ المفيد؛ اللهوف، لابن طاووس

2. عزاداری کا ارتقاء (150ھ تا500ھ)

مجالس، روضہ خوانی، تعزیہ اور عوامی شرکت کے انداز پیدا ہوئے۔ مختلف ممالک میں ثقافتی اختلافات کے ساتھ عزاداری پھیلتی گئی۔

حوالہ: بحار الانوار، ج:45؛ مقتل الحسين لابو مخنف

3. رسوم و اعمال کی فقہی حیثیت

فقہاء نے عزاداری کی رسوم کو عبادت نہیں بلکہ "شعائر، وسائل اور مصادیق عرفیہ" کے عنوان سے جائز قرار دیا۔ اصول: اباحۃ اصلیہ، احیاء امر اھل بیت، سیرۃ عقلاء، عنوان ثانوی

حوالہ: وسائل الشيعه، ج 27؛ فرائد الأصول، للشيخ الأنصاري

4. مشہور واقعات اور تاریخ نگاری کا معیار

کربلا کے واقعات میں سے کچھ قطعی تاریخی ہیں، کچھ معتبر مگر ظنی، اور کچھ ضعیف۔ مصنفین کو تحقیق اور امانت داری لازم ہے۔

حوالہ: تاريخ الطبري، ج 5؛ نفس المهموم، للشيخ عباس قمي

5. فقہا نے جواز کا اصول کہاں سے اخذ کیا؟

یہ اصول عزاداری کے عرفی اور وقت کے ساتھ پیدا ہونے والے وسائل پر منطبق کیے گئے بشرطیکہ شرعی ممانعت نہ ہو۔

حوالہ: الميزان؛ كمال الدين؛ فرائد الأصول؛ وسائل الشيعه

اصل مقصد اہل بیتؑ کی یاد کو زندہ رکھنا اور دین محمدؐ کو محفوظ رکھنا ہے۔

6. روایات میں احتیاط کی تعلیم

«إِنَّ الكَذِبَ عَلَينَا لَيسَ مِنَّا»

(جو ہمارے بارے میں جھوٹ بولے وہ ہم میں سے نہیں۔).

حوالہ: الكافي، ج: 1، ص 16

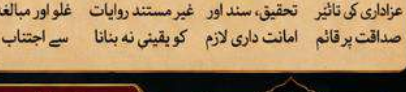

7. امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد عزاداری کا مستقبل

معیارہ وہی ہوگا: قرآن، سنت، تعلیماتِ اہل بیتؑ اور عدل و حکمت۔
جس چیز میں غلو، خرافات یا انحراف ہوگا، اس کی اصلاح ہو گی۔
ثقافتی صورتیں زمان و مکان کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، اصلاح ممکن ہے۔
اصل عزاداری (محبت، گریہ، مصائب کا بیان، زیارات) برقرار رہے گی۔

یا حسینؑ

عزاداری کی روح صداقت، اخلاص اور اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق عمل میں ہے۔

جو چیز قرآن، سنت اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوگی، وہی باقی رہے گی، اور جو چیز بعد میں کسی غیر شرعی کمی یا غیر اخلاقی صورت اختیار کر گئی ہوگی، اس کی اصلاح ہو نا سنت اہل بیت کے مطابق ہوگا۔